سورة المدثر

اس میں ۵۶ آیات ہیں تمام اقوال کے مطابق یہ مکی ہے۔ابن عباسؓ نے یہی فرمایا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) **يَآ يُّهَا الْمُدَّثِّرُ** (ترجمہ:۔اے چادر اوڑھنے والے) مفسرین فرماتے ہیں آپ ﷺ پر جب وحی کی ابتداء ہوئی تو آپ ﷺ کے پاس جبرئیل آئے اور نبی پاک ﷺ نے انہیں آسمان اور زمین کے درمیان چمکتے نور کی طرح تخت پر متمکن دیکھا تو آپ گھبرا گئے اور مدہوش ہو گئے۔جب آپ کو افاقہ ہوا تو خدیجہؓ کے پاس آئے پانی منگوایا اسے اپنے اوپر ڈالا اور فرمایا مجھے چادر اڑھاؤ۔ تو انہوں نے آپ کو ایک مخملی چار اوڑھائی۔اصل میں یہ لفظ متدثر ہے۔پھر تا کو دال میں ادغام کر دیا گیا۔کیونکہ یہ دونوں حرف ایک ہی جنس کے ہیں جمہور اور ابی ابن کعب نے اس لفظ کو اس کی اصلی حالت میں پڑھا ہے ان کا کہنا ہے کہ **تدثر بالثوب** کا مفہوم ہے کپڑے میں داخل ہو جانا۔اور یہ بھی قول ہے کہ جسم سے متصل اوپر والے کپڑے کو کہا جاتا ہے۔صحاح میں ہے کہ یہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو جسم کے متصل کپڑے کے اوپر ہو اور حدیث انصار میں ہے کہ **انتم شعار والناس دثار**۔معنی یہ ہیں کہ تم خاص ہو اور باقی لوگ عام ہیں۔اور یہ اس لئے کہ **دثار** حاجت سے قدرے زائد ہوتا ہے اور **شعار** انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے تا کہ اس سے وہ اپنی ستر چھپا سکے اور **رجل دثور** کا مطلب ہے اضافی کپڑا اوڑھنے والا شخص۔

(۲) **قُمْ فَاَنْذِرْ** (ترجمہ:۔اٹھئے پھر لوگوں کو ڈرائیے) یعنی اہل مکہ کو ڈرائیں۔فراء کہتے ہیں اٹھئے پھر نماز پڑھئے اور نماز کا حکم دیں۔

(۳) **وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ** (ترجمہ:۔اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے) مفعول کو فعل سے پہلے لایا گیا ہے۔اختصاص کی وجہ سے ۔صاحب کشاف کہتے ہیں فعل پر فاء داخل ہوئی ہے معنی شرط کے طور پر گویا کہا گیا جو بھی ہے اس کی تکبیر بیان کیجئے۔اور یہ اس طرح سے ہے جیسے آپ کہتے ہیں **زیدا فاضرب**' نحویین حضرات فرماتے ہیں تقدیر عبارت یوں ہے **تنبیه فاضرب زیدا**۔ابوحیان کہتے ہیں اس میں فا جواب امر ہے اور یہ امر یا تو معنی شرط کو متضمن ہے یا اس کے بعد شرط محذوف ہے۔

(۴) **وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ** (ترجمہ:۔اور اپنے کپڑے پاک رکھئے) بظاہر یہ کپڑوں کی طہارت اور نجاسات سے دوری کا حکم ہے۔ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ معصیت کے کپڑے مت پہنئے۔پھر آپ نے فرمایا غیلان بن مسلمۃ الثقفی کا قول کیا نہیں سنا ہے۔

انی بحمد الله لا ثوب فاجر لبست ولا من غدرة اتقنّع

(الحمدللہ میں گناہ اور دھوکے کے کپڑے نہیں پہنتا میں اس سے بچتا ہوں) اور ایک روایت کے مطابق ذلت و رسوائی سے بچنے کا

حکم ہے۔ابراہیم نخعی کا بھی یہی قول ہے۔فراء کہتے ہیں کہ آپ دھوکہ باز مت ہوں کہ آپ کے کپڑے پلید ہو جائیں۔میں کہتا ہوں اس معنی میں سموال کا یہ قول ہے۔

اذا المرء لم یدنس من اللوم عرضه فکل رداء یرتدیه جمیل

عرب کہتے ہیں کہ ثیاب کے معنی ہیں نفس۔یعنی اپنے نفس کو پاک رکھئے جیسا کہ امراءالقیس نے کہا ہے۔

فان تک قد ساء تک منی خلیقه فسلی ثیابی عن ثیابک تنسلی

اس میں ثیابک سے مراد نفسی عن نفسک اور نفس سے مراد ہے قلب۔زوزنی کہتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس بیت میں ثیاب کو قلب کے معنوں میں لیا ہے جیسا کہ عنترہ کے اس شعر میں ثیاب کو قلب پر محمول کیا گیا ہے۔

فشککت بالرمح الاصم ثیابه لیس الکریم علی القنا بمحرم

اسی طرح امراءالقیس کے شعر میں ہے۔

ثیاب بنی عوف طهاری نقیة او جههم بیض المسافرغران

اس میں ثیاب بنی عوف سے مراد قلوب بنی عوف ہے۔اسی طرح اس کا یہ شعر ہے۔

باثواب خفاف ولا تری لها شبها الا النعام المنفرموها را

ان اشعار سے ظاہر ہوا کہ ثیاب کا استعمال نفس اور قلب کے معنی میں عرب کے درمیان معروف ہے پس اس آیت کے معنی ہوں گے نفسک فطهر یاقلبک فطهر یعنی صفات رذیہ یا غیراللہ سے اپنے نفس کو پاک کر۔یہ معنی دیگر تمام معانی سے عمدہ ہے۔

(۵) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (ترجمہ:۔اور بتوں کو چھوڑے رہئے) ابوالعالیہ، ربیع اور کسائی کا کہنا ہے الرُجز پیش کے ساتھ ہو تو معنی ہیں بُت اور الرجز زیر کے ساتھ ہو تو معنی ہیں عذاب۔یہی مجاہد کا قول ہے۔ابواسحاق کا کہنا ہے الرُجز ' الرِجز دونوں ہم معنی ہیں۔اور یہ وہ عمل ہے جو عذاب تک پہونچاتا ہے۔میں کہتا ہوں ''الرِجز'' زیادہ تر عذاب کے معنوں میں آتا ہے۔جیسے اللہ نے فرمایا رجزا من السماء (البقرة۵۹) اس کا مطلب عذاب ہے اور اللہ کا ارشاد ہے لئن کشفت عناالرجز لنومنن لک (الاعراف۱۳۴) یعنی اگر تم نے ہم سے عذاب دفع کر دیا تو یقیناً ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہاالرُجز کے معنی ہیں بت۔اس صورت میں معنی ہوں گے بتوں کی عبادت کو چھوڑے رہئے۔اور بتوں کو رُجز اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی عبادت عذاب کا سبب ہے۔میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اعلان نبوت سے پہلے یا بعد اپنے رب کی عظمت و بڑائی بیان کیا کرتے تھے اور آپ خصائل حمیدہ سے موصوف تھے۔اور رذائل ذمیمہ سے دور تھے اور بتوں اور ان کی عبادت سے متنفر تھے۔پس ان صیغوں میں ظاہراً خطاب اگرچہ آپ ہی سے ہے لیکن درحقیقت اس کی مخاطب آپ کی امت ہے پس اللہ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ انہیں یہ احکامات پہنچائیں اور مسئلہ توحید کی تعلیم دیں۔یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت میں مضاف مقدر ہے۔اور وہ یوں

ہے واھل الرجز فاھجر۔

(٦) وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (ترجمہ:۔اور زیادہ لینے کے لئے کسی پر بھی احسان نہ کیجئے۔) جمہور نے اسے بغیر ادغام کے پڑھا ہے۔اور اسے ادغام کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ایسا پڑھنے والوں میں حسن بھی ہیں۔ ان پر مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب بھی پڑھا گیا ہے۔اور اس کی تائید ابن مسعودؓ کی قرأۃ سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق یہاں ان کا اضافہ ہے اور جمہور نے اسے حال ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے۔صاحب کشاف کہتے ہیں رفع پڑھنے کی حالت میں ان کو حذف کرنا اور اس کے عمل کو باطل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ طرفہ نے اپنے اس شعر میں کہا ہے۔

علی ایھذا اللائمی احضر الوغی و ان اشھد اللذات ھل انت مخلدی

ابوحیان کہتے ہیں کہ اس پر قرآن کو محمول کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ شعر میں تو جائز ہے اور ہمارے لئے اس سے بڑا وسیع میدان ہے۔میں کہتا ہوں کہ اس شعر میں ''ان'' کا مقدر ہونا ضرورت کے لئے اس وجہ سے یا اس وجہ سے نہیں ہے کہ شاعر اس اسلوب کے بغیر اپنے مقصود کو ادا کرنے پر قادر نہیں تھا بلکہ وہ تو اس اسلوب کے علاوہ بھی کلام لا سکتا تھا۔پس اس کے لئے یوں کہنا جائز تھا۔ الا ایھا اللوام ان احضر الوغی یا یوں بھی کہہ سکتا تھا فما لک من یوم باَن احضر الوغی۔اور الوغی کے معنی ہیں مردوں کی آواز۔ پس اس امکان کے باوجود اس کے مقام پر ان کا مقدر ہونا محض اسالیب کلام میں وسعت ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے پس اس طرح کے شعر سے بلیغ وفصیح کلام پر دلیل پکڑنا جائز ہے' نیز تستکثر کو جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا اس لئے کہ وہ تمنن کا بدل ہے۔جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے۔ یضاعف له العذاب (الفرقان ٦٩) ان لوگوں کی قراءت کے مطابق جنہوں نے اسے ''یضاعف'' کو اس سے پہلے والے لفظ ''یلق'' سے بدل مانا گیا اور یہ شاعر کے قول کے مطابق ہے جس میں وہ کہتا ہے۔

متی تاتنا تلمم بنا فی دیارنا تجد حطباً جزلاً و نارا تاججا

مفسرین نے اس آیت کے معنی میں کئی وجوہات بیان کی ہیں اور امام رازی نے اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ اپنے رب پر احسان مت کیجئے۔وہ اس طرح کہ تو قوم کو ڈرائے اور رب کی بڑائی بیان کرے اور اپنے کپڑوں کو تو صاف رکھے اور تو بتوں سے دور رہے۔اس شخص کی طرح جو اپنے کئے کے بدلے میں زیادہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔بلکہ تجھ پر لازم ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کر اور اس کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کر۔دوسری وجہ حسن فرماتے ہیں کہ تو اپنی تمام نیکیوں کے ذریعہ اپنے رب پر احسان نہ کر کہ پھر تو انہیں اپنے لئے زیادہ طلب کرے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کو امور دین سکھا کر احسان مت رکھو۔اس لئے کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ کی وحی اور اس کا حکم ہے۔پس آپ کا ان پر کوئی احسان نہیں ہے۔چوتھی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگوں سے زیادہ اجر حاصل کرنے پر اپنی نبوت پر احسان مت کیجئے۔پانچویں وجہ منت سے مراد ضعف ہے۔میں کہتا ہوں کہ صاحب لسان کہتے ہیں المن کے معنی ہیں تھکن وکمزوری اور مننت الناقة کے معنی ہیں میں نے اونٹنی کو تھکایا اور من النافة 'یمنھا منّا اور منن بھا کا مطلب ہے سفر کی وجہ سے اونٹنی

کو کمزور کر دیا۔ منة کے معنی ہیں قوت قلب۔ کہا جاتا ہے هو ضعيف المنة طويل الامة ‘حسن السنة یعنی وہ شخص قوت قلب کا ضعیف ہے۔ طویل القامت ہے اور خوبصورت چہرہ والا ہے۔ اس صورت میں اس آیت کے معنی یوں ہوں گے کہ آپ کو جن عبادات کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے انہیں زیادہ کر کے کمزور مت ہوئیے۔ چھٹی وجہ اور یہ اکثر مفسرین کی رائے بھی ہے کہ آپ اپنا مال اس لئے مت دیجئے کہ آپ اس سے زیادہ حاصل کریں۔ اور اس نہی میں خطاب امت کے لئے ہے کیوں کہ آپ ﷺ کی شان اس قبیح صفت سے اعلیٰ وارفع ہے۔ امام رازی نے اس بارے میں طویل کلام کیا ہے اور میرے نزدیک بہترین توضیح پانچویں ہے۔

(۷) **وَلِرَبِّكَ** (ترجمہ:۔ اور اپنے رب کے لئے) یعنی رضامندی اور خوشنودی کے لئے **فَاصْبِرْ** (ترجمہ:۔ صبر فرمایئے) یعنی مشرکین کی اذیت پر اور یہ بھی قول ہے تمام تکالیف پر کیونکہ وہ اللہ کے اذن سے ہی آتی ہیں۔

(۸) **فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ** (ترجمہ:۔ پھر جب پھونک ماری جائے گی صور میں) النقر کے معنی ہیں پتھر اور چکّی کے پاٹ وغیرہ کی چوٹ اور یہ بھی کہا گیا ہے ’’نقر‘‘ اس آواز کو کہتے ہیں جو انگوٹھے کو شہادت والی انگلی پر لگانے سے پیدا ہو۔ اس سے تنقیر کا لفظ ہے جیسے صغیر کا لفظ۔ اور نقر کے معنی ہیں آواز دی جائے گی۔ ’’ناقور‘‘ کا لفظ هاضوم اور حاطوم کی طرح فاعول کے وزن پر ہے۔ ناقور اس کو کہتے ہیں جس سے آواز دی جائے اس سے مراد وہ صور ہے جس میں فرشتہ آواز دے گا۔ یعنی پھونک مارے گا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اس پھونک سے مراد پہلی پھونک ہے۔ فراء نے بھی یہی کہا ہے۔

(۹۔۱۰) **فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ** (ترجمہ:۔ تو وہ دن بڑا سخت ہوگا کافروں پر) یعنی اس دن کافروں پر معاملہ بہت مشکل ہوگا کیونکہ حساب کتاب میں ان سے مناقشہ کیا جائے گا (بال کی کھال اتاری جائے گی ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا) اور نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دئے جائیں گے۔ ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے وہ بول نہیں پائیں گے بلکہ ان کے اعضاء بولیں گے۔ پھر وہ محشر میں رسوا ہو جائیں گے۔ اور یہ اشارہ ہے اس گراں، خطرناک اور شدید وقت کی طرف۔ **غَيْرُ يَسِيرٍ** (ترجمہ:۔ آسانی والا نہ ہوگا) یہ جملہ عسیر کی تاکید ہے یعنی وہ دن ان پر فدیہ اور شفاعت وغیرہ کے ذریعے آسان نہیں ہوگا۔ اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ مومنوں پر آسان ہوگا کیونکہ کافروں کا کفر ہی اس کی سختی کا سبب ہے۔ پس جب مسبب سے یعنی عسر سبب کی نفی ہوگئی تو مومنوں پر وہ دن عسیر (مشکل) نہیں رہے گا۔

(۱۱) **ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا** (ترجمہ:۔ مجھ پر چھوڑ دے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا) یعنی اس کے ساتھ اکیلا۔ اس سے انتقام کے لئے میں ہی کافی ہوں گا۔ یہ معنی اس وقت ہوں گے جب وحیداً کو فاعل سے حال مانا جائے گا۔ جس پر خلقتُ کا لفظ دلالت کرتا ہے اس کے معنی ہیں میں نے اسے اکیلا پیدا کیا۔ نہ ان کے ساتھ مال تھا اور نہ اولاد۔ اور یہ معنی اس صورت میں ہوں گے جب وحیداً کا لفظ مفعول سے حال ہوگا یا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ برائی میں اکیلا یا یہ معنی ہوں گے کہ باپ کی طرف سے اکیلا، کیونکہ وہ بداصل تھا یا وحیداً کا لفظ ذم کی وجہ سے منصوب ہے۔ مروی ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرا کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اسے وحید کا

لقب دیا گیا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میں وحید ابن وحید ہوں۔ عرب میں نہ کوئی میری مثال ہے اور نہ میرے باپ کی اور یہ کمزور وجہ ہے۔ حکایت ہے کہ کفار اور ان کے روساء دارالندوہ میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بحث ومباحثہ کرتے تھے اور مروی ہے کہ ولید نے ابوجہل اور قریش کی ایک جماعت کے ساتھ قرآن کے بارے میں مناظرہ کیا۔ اور کہا کہ "**ان له لحلاوة وان اسفله لمعذق وان فرعه لجناة و انه ليحطم ماتحته وانه يعلو وما يعلى**۔ اسی طرح کی اور باتیں کیں جس پر ان لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا قرآن شعر ہے تو ولید نے کہا وہ شعر نہیں ہے ہم شعر کے ہزج وبسیط کو جانتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا محمد ﷺ جادوگر ہے ولید نے کہا اللہ کی قسم وہ جادوگر نہیں ہے ہم نے جادوگر بھی دیکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا وہ مجنون ہے تو ولید نے کہا واللہ وہ مجنون نہیں ہے مجنون اور ان کی خفت دیکھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ ان کی صفات عالیہ اور مناقب کا ذکر کرنے لگے تو ولید متاثر ہوا اور محفل سے کھڑا ہوا اور اپنے گھر چلا گیا۔ بعد میں قوم نے اس کے معاملے میں غور وفکر کیا تو انہیں خدشہ ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا جس سے ابوجہل بہت خائف ہوا اور اس کے گھر چلا گیا۔ اور اس سے بات کی' اور کہا کہ اے اعظم قریش معزز قریش قوم کے لوگوں نے تیرے لئے وافر مقدار میں مال جمع کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ تم اپنے آباء کا دین مت چھوڑو۔ پس اس نے اس حرص کی وجہ سے اپنا ارادہ بدل دیا اور گمراہی پر جما رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قریش میں سب سے زیادہ مال ومتاع والا تھا۔ اس لئے اللہ نے ذکر فرمایا

(۱۲) **وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا** (ترجمہ:۔ اور کر دیا میں نے اس کے لئے بہت مال) یعنی بہت ہی وافر مقدار میں۔ یا یہ کہ اس کے پاس مال تھا مثلاً دودھ دینے والے مویشی بھیڑ بکریاں' کھیتی اور تجارت جو کہ ہر وقت بڑھتے رہتے تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان تمام اقسام کی ملکیت اس کی تھی اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ طائف میں اس کا باغ تھا جس کے پھل سردی گرمی میں ختم نہیں ہوتے تھے۔

(۱۳) **وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا** (ترجمہ:۔ اور سامنے موجود رہنے والے بیٹے) یعنی مکہ میں اس کے ساتھ موجود یا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام محافل اور معرکوں میں موجود رہتے تھے وہ دس تھے اور ایک قول یہ ہے کہ سات تھے۔ ولید ابن ولید' خالد' عمارۃ' ہشام' عاص' قیس' اور عبدشمس۔ اس میں سے تین خالد' عمارۃ اور ہشام اسلام لے آئے تھے۔

(۱۴) **وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا** (ترجمہ:۔ اور میں نے اس کے لئے بہت کچھ مہیا کیا) **تمہید** سے مراد وافر جاہ ومرتبہ' کثیر مال' امور میں تصرف اور عمر میں طوالت ہے یہاں تک کہ کثرت نعم وآرائش کی وجہ سے دنیوی زندگی میں ریحانۃ القریش اس کا لقب پڑ گیا۔

(۱۵) **ثُمَّ يَطْمَعُ** (ترجمہ:۔ پھر طمع کرتا ہے) اولاد' کھیتی باڑی اور اموال وغیرہ میں اسقدر کثرت کے باوجود **اَنْ اَزِيْدَ** (ترجمہ:۔ کہ میں اور زیادہ کر دوں) اس سے جو میں نے اسے نعمت وخوشحالی عطا فرمائی ہے۔ اس کے کفرانِ نعمت اور منعم سے عناد رکھنے کے باوجود۔ اس کی مثال اللہ کا یہ ارشاد ہے۔ **افرائت الذی کفر بایاتنا وقال لا تین مالا وولدا** (مریم ۷۷) (کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور مال اور اولاد ملیں گے۔)

(۱۶) کَلَّا (ترجمہ:۔ ہرگز نہیں) یہ فاسد طمع سے جھڑکی ہے اور بے مقصد امید سے ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حکایت ہے کہ اس لفظ کے نازل ہونے کے بعد ناکامی اور خسارے میں بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک قلاش ہو گیا۔ اور حالتِ فقر ہی میں مرگیا۔ اِنَّهُ كَانَ لِاٰيٰتِنَا (ترجمہ:۔ بے شک وہ ہماری آیات کا) جو ہم نے اپنے نبی ﷺ پر بینات اور الحجج الباهره میں سے نازل کی ہیں جو توحید اور اصلاح معاش ومعاد اور بعثت بعد الموت اور اس کے علاوہ شرائع اور احکام پر دلالت کرتی ہیں۔ عَنِيْدًا (ترجمہ:۔ دشمن ہے) یعنی وہ ہماری آیات کا دشمن ہے باقی چیزوں کا دشمن نہیں ہے اور یہ اس کا کفر وگمراہی میں انہماک ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں عنیداً کے معنی جحوداً (یعنی انکاری) ہیں۔

(۱۷) سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (ترجمہ:۔ عنقریب میں اسے مشقت پر چڑھاؤں گا) یعنی بدترین قسم کی مشقت پر۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صعود جہنم کی گھاٹی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(۱۸) اِنَّهٗ فَكَّرَ (ترجمہ:۔ بے شک اس نے سوچا) یعنی ولید نے قرآن کی شان اور نبی ﷺ کے حال کے بارے میں غور کیا وَقَدَّرَ (ترجمہ:۔ دل میں کچھ مقرر کیا) کلام کے اندازے میں سے یعنی اس نے اپنے دل میں اندازہ لگایا کہ قرآن جن وانس کا کلام نہیں

(۱۹) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (ترجمہ:۔ تو اس پر اللہ کی مار ہو کیسی بات اس نے مقرر کی) فراء کہتے ہیں کہ اس پر لعنت ہو اور اسی طرح قاتلهم الله ۔ کے ارشاد میں بھی یہی معنی ہیں لعنهم الله ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اس پر عذاب وقہر ہو۔ یہ زہری کا قول ہے اسی سے امراء القیس کا یہ قول ہے۔

وما ذرفت عيناك الا لتضربى بسهميک فی اعشار قلب مقتل

اس میں قلب مقتل سے مراد قلب معذب اور قلب مقہور ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس طرح سے تعجب اور اظہار عظمت کے وقت ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے مثال عربوں کے یہ قول "قتله الله ما اشجعه" اور" اخزاه الله مااشعره" معنی یہ ہیں کہ وہ اس حد تک پہونچ چکا ہے جہاں پر حسد کیا جائے اور اس کا حاسد اسے بددعا دے۔ اس قول سے مراد قریش کا ولید کے حسنِ خیال اور اس کی ذکاوت اور اسالیب کلام کی معرفت اور بلاغت کلام کی وجوہات سے آگہی پر اظہار تعجب تھا۔ اس نے ابوجہل سے کہا تھا کہ محمد ﷺ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ انسانی اور جناتی کلام نہیں ہے۔ اس میں مٹھاس اور تازگی ہے وغیرہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ پس ان لوگوں نے اس سے یہ بات سنی تو وہ متعجب ہوئے اور انہوں نے اسے بڑا جانا اور آپس میں کہنے لگے اس موقع پر تم کیا کہتے ہو۔ اللہ کی اس پر مار، اس نے کیسا اندازہ لگایا ہے۔ یا انہوں نے یہ بات اس کا استہزاء اڑاتے ہوئے کہی تھی۔ اس معنی میں کہ تو نے جو کچھ کہا ہے وہ رکیک اور ساقط الاعتبار ہے۔

(۲۰) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (ترجمہ:۔ پھر اللہ کی مار ہو اس پر اس نے کیسی بات مقرر کی) یہ تکرار مبالغہ کے لئے ہے اور ثم کا لفظ اس بات پر دلالت کے لئے ہے کہ قتل کے لفظ کے ذریعہ اس پر بددعا پہلی بددعا سے زیادہ بلیغ ہے۔

(۲۱) **ثُمَّ نَظَرَ** (ترجمہ:۔ پھر اس نے دیکھا) معنی یہ ہیں کہ اس نے بار بار قرآن پر نظر ڈالی۔

(۲۲) **ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ** (ترجمہ:۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا) یعنی اپنے چہرہ پر تیوریاں چڑھائیں۔ کیونکہ اسے اس میں کوئی عیب نظر نہیں آیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا اور تیوری چڑھائی۔ کہا گیا ہے کہ **بسر** کا لفظ **عبس** کے تابع ہے۔ لیث کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنی آنکھوں کے درمیان تیوری چڑھائے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے کہ **عبس**، پھر اگر اپنی تیوری چڑھانے میں دانت نکالے تو کہا جاتا ہے **کلح** پھر اگر مزید اہتمام کرے اور غور وفکر کرے تو کہا جاتا ہے **بسر**۔ پھر اگر اس کے ساتھ غضب ناک بھی ہو تو کہا جاتا ہے **بسل**

(۲۳) **ثُمَّ اَدْبَرَ** (ترجمہ:۔ پھر پیٹھ پھیری) لوگوں سے اپنے اہل کی طرف **وَاسْتَكْبَرَ** (ترجمہ:۔ اور اس نے تکبر کیا) ایمان سے۔

(۲۴) **فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ** (ترجمہ:۔ پھر اس نے کہا نہیں ہے یہ مگر جادو جو پہلے سے نقل ہوتا چلا آتا ہے) یعنی روایت کیا جاتا ہے اور نقل کیا جاتا ہے اور اسی سے ہے "**حدیث ماثور**" یعنی لوگ ایک دوسرے کو بتاتے آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ خلف اپنے سلف سے نقل کرتے آتے ہیں۔ اسی سے اعشیٰ کا قول ہے۔

ان الذی فیه تماریتما بین للسامع والآثر

آثر سے مراد یہاں ناقل ہے اور یہ بھی قول ہے کہ ایسی بات یا جادو جسے دوسروں کے مقابلے میں ترجیح دی جائے۔ اور اسے اختیار کیا جائے۔ اسی سے حطیۃ کا شعر ہے جو حضرت عمرؓ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ما آثر وک بها اذقدموک لها لاکن لانفسهم کانت بها الاثر

یہاں اثر سے مراد ترجیح دینا اور ایثار کرنا ہے۔

(۲۵) **اِنْ هٰذَا** (ترجمہ:۔ یہ نہیں ہے) یعنی یہ قرآن نہیں ہے۔ **اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ** (ترجمہ:۔ مگر بشر کا قول) یعنی دوسرے کے کلام سے لیا گیا۔

(۲۶) **سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ** (ترجمہ:۔ قریب ہے کہ میں اسے دوزخ میں ڈالوں) ابن عباسؓ کہتے ہیں سقر، جہنم کے چھٹے طبقے کا نام ہے۔ اور **ساصلیه سقر** کا قول **سارهقة صعودا** سے بدل ہے۔ اسے اللہ نے تخویف وتہویل کے طور پر فرمایا۔

(۲۷) **وَمَا اَدْرٰكَ** (ترجمہ:۔ آپ نے کیا سمجھا) آپ نے کیا جانا **مَا سَقَرُ** (ترجمہ:۔ دوزخ کیا ہے) پہلی ما مبتدا ہے اور ادراک اس کی خبر ہے اور دوسری ما مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ کیا ہے۔

(۲۸) **لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ** (ترجمہ:۔ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے)۔ یعنی عذاب یافتہ لوگوں کے گوشت وپوست ہڈی اور خون وغیرہ میں سے کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑے گی۔ یہاں سے معلوم ہوا ما کے جواب میں مسئول عنہ کی وصف واقع ہوتی ہے۔

اللہ نے اس کی صفت میں اور ارشاد فرمایا۔

(۲۹) **لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ** (ترجمہ:۔آدمی کو جھلسا دینے والی) کہا جاتا ہے "**لاحة العطش**" **ولوحہ** یعنی پیاس نے اسے جھلسا دیا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب پیاس کی وجہ سے پیاسا متغیر ہو گیا ہو۔ پس وہ انسان کی جلد کو متغیر کر دیتی ہے۔ اور زجاج کہتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ کھال کو جلا دے گی یہاں تک کہ اسے سیاہ کر دے گی۔ **لوحت الشئی بالنار** کا مطلب ہے۔ میں نے اسے آگ پر چڑھایا۔ اخفش کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہنمی لوگ ہیں یہی اکثر کا قول ہے۔

(۳۰) **عَلَيْهَا** (ترجمہ:۔اس پر) یعنی سقر پر۔ **تِسْعَةَ عَشَرَا** (ترجمہ:۔۱۹ ہیں) فرشتوں میں سے اور وہ آگ کے داروغہ ہیں۔ ۱۹ کے عدد میں اختلاف ہے بعض کا قول ہے فرشتوں کی (۱۹) اقسام، بعض کا کہنا ہے کہ فرشتوں کی ۱۹ صفیں اور بعض کا خیال ہے ۱۹ نقیب ہیں۔ جمہور نے **تسعة عشرا** میں عشرا کو شین کی زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ نیز اسے شین کی سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ حضرت برّا ابن عازب سے مروی ہے کہ یہود کے ایک گروہ نے نبی پاک ﷺ کے بعض اصحاب سے جہنم کے داروغوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا **الله ورسوله اعلم** پھر جبرئیلؑ آئے نبی ﷺ کو خبر دی اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔ تعجب تو ابو جہل کی جہالت پر ہے کہ اس نے اس آیت کی نزول کے بعد کہا تھا محمد ﷺ کے اعوان وانصار ۱۹ سے زائد نہیں ہیں تمہیں ان سے ڈراتا ہے حالانکہ تم بڑی تعداد ہو۔ کیا اگر تم میں سے ایک سو آدمی ان میں سے ایک کو پکڑ کر آگ میں سے نہیں نکل سکے گا جس پر ابو الاشد نے جو بنی جمح کا فرد تھا کہا اے گروہ قریش جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمہارے آگے آگے چلوں گا دائیں کاندھے سے دس فرشتوں کو اور بائیں کاندھے سے ۹ فرشتوں کو دفع کروں گا۔ اور پھر ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر اللہ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

(۳۱) **وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ** (ترجمہ:۔ہم نے دوزخ کے نگہبان نہیں بنائے) یعنی اس کے داروغہ **اِلَّا مَلٰٓئِكَةً** (ترجمہ:۔مگر فرشتے) جب کفار نے یہ آیت سنی تو مبہوت ہو کر رہ گئے ابو الاشد ان کے گمان کے مطابق بہت شدید قوت والا تھا ایسا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس افراد اس کے پاؤں کے نیچے سے نکالنے کے لئے زور لگاتے چمڑا پھٹ جاتا لیکن اس کے نیچے سے چمڑا سرکا نہیں سکتے۔ سہیلی کہتا ہے یہ وہی شخص ہے جس نے نبی ﷺ کو کشتی لڑنے کی دعوت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر آپ نے مجھے پچھاڑ لیا تو آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ نبی ﷺ نے اسے کئی بار پچھاڑا مگر وہ ایمان نہیں لایا۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کشتی لڑنے والی خبر رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب کی طرف منسوب ہے۔ **وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ** (ترجمہ:۔اور ہم نے ان کی گنتی کو نہیں بنایا) یعنی جہنم کے نگہبانوں کی تعداد کی تعیین۔ **اِلَّا فِتْنَةً** (ترجمہ:۔مگر آزمائش) یعنی گمراہی **لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا** (ترجمہ:۔کافروں کے لئے) یعنی ان لوگوں کے لئے جن کی نظروں میں یہ تعداد کم ہے۔ **لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** (ترجمہ:۔تا کہ اہل کتاب یقین کر لیں) یہود و نصاریٰ کیونکہ وہ اس تعداد کو جانتے تھے۔ پھر ان کے لے محمد ﷺ کی نبوت پر یقین کرنا ممکن ہو **وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا**

اِیْمَانًا (ترجمہ:۔ اور ایمان والوں کا ایمان زیادہ ہوجائے) مثلاً عبد اللہ ابن سلام وَّلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْکِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (ترجمہ:اور نہ شک کریں اہل کتاب اور نہ ایمان والے) جہنم کے نگہبانوں کی تعداد کے بارے میں۔ وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (ترجمہ:۔اور تا کہ کہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے) یعنی نفاق اور یہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد عنقریب ہونے والی بات کی خبر ہے کیونکہ مکے والے لوگ دو قسم کے تھے مومن اور کافر اور جب آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو تیسری قسم منافقوں کی بھی پائی گئی۔ وَّالْکٰفِرُوْنَ (ترجمہ:۔اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا) یعنی کفار مکہ۔ مَاذَآ (ترجمہ:۔کیا ہے جو) یعنی کون سی شئی۔ نحویوں نے ماذا کے بارے میں اختلاف کیا ہے بعض کا کہنا ہے ماذا اپنی ترکیب میں استفہام ہے جیسے آپ کہتے ہیں لماذا جئت اور جس طرح شاعر نے کہا۔

یاحرز تغلب ماذا بال نسوتکم لایستفقن الی الدیرین تحتانا

یستفقن کے معنی یکففن ہیں اور التحتان کے معنی ہیں الشوق۔ بعض کہتے ہیں ما استفہامیہ ہے اور ذا زائدہ ہے اسے نحویوں کی جماعت نے اسے جائز رکھا ہے جس میں ایک ابن مالک ہیں۔ مثلاً ماذا صنعت' اس صورت میں چاہئے تھا کہ الف کا حذف کرنا واجب ہوتا جیسا کہ لم ذا جئت۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ اسماء میں اضافہ نہیں کیا جاتا اور بعض کہتے ہیں ما استفہامیہ ہے اور ''ذا'' موصولہ ہے جیسے لبید کا قول ہے۔

الا تسألان المرء ماذا یحاول انحب فیقضی ام ضلال وباطل

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ما مبتدا ہے اور ذا موصولہ ہے اس کی دلیل ہے کہ وہ جملے کی محتاج ہے۔ اور یہ ویسئلونک ماذا ینفقون . قل العفو۔ آیت میں لفظ العفو کو رفع دینے والوں کے لئے بہت مناسب وجہ ہے۔ یعنی جسے وہ خرچ کریں گے وہ العفو ہے۔ جبکہ اصل یہ ہے کہ اسمیہ کو اسمیہ سے اور فعلیہ کو فعلیہ سے جواب دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اسی طرح یہ بھی آیت ہے کہ اس میں ما استفہامیہ ہے اور ذا موصولہ ہے۔ اور اس کا صلہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا (ترجمہ:۔اللہ نے ارادہ فرمایا ہے اس سے) یعنی عدد سے۔ مَثَلًا (ترجمہ:۔مثال دے کر) لیث کا قول ہے کہ مثل حدیث کو کہتے ہیں جیسے اللہ کے اسی ارشاد میں ہے۔ مثل الجنة التی وعد المتقون (الرعد۳۵) مثل الجنة یعنی جنت کی بات۔ کَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ (ترجمہ:۔اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے) اپنے بندوں میں سے وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (ترجمہ:۔اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے) اصل میں کفر وضلال اللہ کے فرمان پر تعجب کا اظہار اور اس کا انکار ہے کہ کفار کا تعجب وانکار ان کا یہ کہنا تھا کہ جہنم کے نگران فرشتوں کی اتنی قلیل تعداد جن وانس میں سے اکثر مخلوق کو عذاب دینے کے لئے کیوں کر کافی ہوگی۔ اور مومن تو نبی ﷺ پر اللہ کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا اس پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ اللہ نے اپنے نبی پر جو کچھ نازل فرمایا ہے وہ حق ہے۔ اسے کوئی باطل قوت پھرا نہیں سکتی۔ پس اس طرح ان کا یقین بڑھ جاتا ہے اور وہ جواب میں کہتے ہیں اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔ اس کے لئے اس تعداد اتنی قوت وقدرت دے دینا جائز

ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق کفار کو عذاب دینے پر قادر ہوں۔ **وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ** (ترجمہ:۔اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی) اور ایسا نہ جاننا ان کے فرط کثرت کی وجہ سے ہے۔اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ان لشکروں میں سے بہت سارے ان آگ کے نگہبانوں کے لئے معاون ہوں۔پس اللہ پر کفار کو عذاب دینا مشکل نہیں ہے بلکہ جہنم کے ان نگرانوں کی اللہ کو حاجت نہیں ہے کیونکہ انہیں عذاب دینے اور جہنم میں داخل کرنے پر ذاتی طور پر بذات خود قادر ہے **وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ** (ترجمہ:۔اور نہیں ہے وہ مگر بشر کے لئے نصیحت) جہنم اور اس کے نگرانوں کی تعداد بشر کے لئے نصیحت ہے۔

(۳۲۔۳۳) **كَلَّا** (ترجمہ:۔ہرگز نہیں) یہ جہنم اور اس کے نگرانوں کے انکار کرنے والوں کے لئے جھڑکی کا کلمہ ہے۔**وَالْقَمَرِ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ** (ترجمہ:۔قسم ہے چاند اور رات کی جب وہ جانے لگے) فراء اور زجاج کہتے ہیں ادبر اور دبر ایک ہی معنی کے ہیں جیسا کہ قبل اور اقبل۔اسے دبّر بھی پڑھا گیا ہے ابن عباسؓ اس قرأۃ کو نامناسب سمجھتے تھے۔واحدی کا کہنا ہے کہ اہل لغت کے نزدیک دونوں قرأتیں برابر ہیں" دبر النهار "اور ادبر النهار اور دبر الصيف اور ادبر الصيف دونوں طرح کہا جاتا ہے۔پس واليل اذا ادبر کے معنی یہ ہوں گے جب وہ دن کے بعد آئے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ آپ کہتے ہیں دبّر نی فلاں اور خلقنی فلان یعنی وہ میرے بعد آئے اسی سے کہاوت ہے۔دابر العيش الحباب یعنی آخر العيش۔جیسا کہ معقل بن خویلد ھزلی کا قول ہے۔

وما عزّيت ذا الحيات الا لا قطع دابر العيش الحباب

(میں نے ذاالحیاۃ کو بے نیام نہیں کیا مگر اس لئے کہ تیری زندگی کی آخر کاٹ دوں) ذاالحیات اس کی تلوار کا نام ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی اس تلوار ذاالحیات تجھے قتل کرنے کے لے بے نیام کیا ہے۔اور اسی طرح سے امس الدابر کا لفظ ہے۔اس کے معنی ہیں جانے والا۔اور اسی سے صخر بن عمرو الشرید السلمی کا شعر ہے۔

و لقد قتلتكم ثناء وموحدا و تركت مرة مثل امس الدابر

نیز یہ بھی روایت کیا گیا کہ یہ لفظ المدبر ہے۔ابن برّی کہتے ہیں کہ شعر میں اس کا استعمال امس الدابر درست ہے۔

(۳۴) **وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ** (ترجمہ:۔اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو) اور حدیث میں ہے کہ اسفروا بالفجر فله اعظم للاجر ۔آپ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز فجر کے وقت کے صحیح طریقے سے نمودار ہونے اور واضح طور پر ظاہر ہونے کے بعد پڑھا کرو کہ اس کے فجر ہونے میں کسی قسم کا شک نہ رہے۔اور پھر دیکھنے والا پہچان سکے کہ یہ فجر صادق ہے۔ابن اثیر فرماتے ہیں کہ بعض افراد کا کہنا ہے کہ احتمال ہے کہ صحابہ کرام کو جس وقت نبی ﷺ نے فجر کے ابتدائی وقت میں رات کے آخری پہر میں نماز پڑھنے کا حکم دیا تو وہ لوگ حرص و رغبت کے طور پر فجر اول کے وقت پڑھتے ہوں گے جس پر آپ نے فرمایا کہ اسے موخر کر کے یعنی فجر ثانی کے وقت پڑھا کرو۔میں کہتا ہوں کہ یہ اس لئے کہ اسفار روشنی ہے۔کہا جاتا ہے اسفر الصبح و سفر صبح. یعنی صبح روشن ہوئی اور اس سے ہے سفر وجهه حسنا و اسفر یعنی حسن کی وجہ سے اس کا چہرہ چمکنے لگا۔اسی سے ہے مسافر الوجه یعنی وہ چیز جس سے چہرہ روشن اور منکشف

ہو۔فراء کہتے ہیں کہ عورۃ جب نقاب الٹتی ہے تو کہتے ہیں سفرت اور اس کا اسم فاعل بغیر ھائے کے مسافر ہے۔اسی سے امراء القیس کا قول ہے۔ واوجههم بيض المسافر غران۔ابن الاعرابی کہتے ہیں السفر فجر کو کہتے ہیں۔فراء کہتے ہیں کہ اسی سے اللہ کا ارشاد ہے ۔ وجوه مسفرة (اى مضية) اور اسی سے اخطل کا قول ہے۔

انى ابيت وهم المرء يبعثه من اول الليل حتى يفرج السفر

يفرج السفر کے معنی ہیں ينكشف الفجر۔اس سے واضح ہوا کہ صبح کے لے اسفار کے لفظ کا استعمال اضائت اور اشراق سے زیادہ بلیغ ہے۔

(۳۵) اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (ترجمہ:۔بے شک وہ بہت بڑی چیزوں میں سے ایک ہے) جمہور نے اسے ہمزہ کے ساتھ اِحدّی پڑھا ہے نیز اسے بغیر ہمزہ کے لِحدّیٰ بھی پڑھا ہے۔اور یہ جملہ جواب قسم ہے اور انها میں ضمیر سقر پر لوٹ رہی ہے یعنی سقر بہت بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔اور الكبر' الكبریٰ کی جمع ہے۔جمع میں تانیث کا الف گرادیا گیا ہے۔جیسا کہ قاصعاء کی جمع قواصع ہے جس میں اس کا ھمزہ گرادیا گیا ہے اس کے معنی ہیں کہ وہ دہلانے والی ایک شئی ہے۔اور اسی سے راجز کا قول ہے۔

يا ابن المعلى نزلت احدى الكبر داهته الدبر وصماء الغير

اور ایک قول یہ بھی ہے احدى الكبر میں سے ایک سقر بھی ہے جس کا ذکر چل رہا ہے کبر سے مراد جہنم کے ہیں اور وہ سات ہیں۔ جهنم' لظیٰ' حطمة' سعير' سقر' جحيم' هاوية (اللہ ہمیں ان سے محفوظ رکھے آمین)

(۳۶) نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ (ترجمہ:۔انسان کو ڈرانے والی ہے) زجاج کہتے ہیں یہ جملہ انها کی ضمیر سے حال ہے جو زجاج' کسائی' ابوعلی فارسی سے مروی ہے کہ یہ جملہ قم فانذر سے حال ہے۔معنی ہیں قم يا محمد فانذر حال كونك نديراً للبشر۔فراء کہتے ہیں کہ یہ جملہ مصدر یعنی انذزاً کے معنی ہیں اور احدی کی تمیز ہے۔اور اُبی نے نذیر کو رفع کے ساتھ پڑھا کہ وہ خبر کے بعد خبر ہے۔

(۳۷) لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْيَتَاَخَّرَ (ترجمہ:۔تم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہنا چاہے) تم میں سے اللہ جس کے لئے بھی چاہے خیر کی طرف بڑھنا تو وہ خیر کی طرف بڑھے گا۔اور جو خیر کی طرف نہیں بڑھے گا وہ پیچھے رہ جائے گا۔اور ایسا ہی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔فمن شاء فليومن ومن شاء فليكفر۔(الکھف ۲۹) اور اس میں تحدید ہے جیسے کہ آپ کہتے ہیں اگر آپ مرد ہیں تو آپ ایسا کریں' حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ایسا نہیں کر سکتے۔اور اسی طرح سے مشیت مستقلہ جس کا صدور فعل میں اثر ہوتا ہے اور بندے سے منتفی ہوتا ہے۔کیونکہ اس کا ممکن ہونا اس تاثیر کو جمع نہیں کر سکتا۔پس خبر کی تقدیم وتاخیر بندے کی نسبت سے محال ہے۔سوائے اس کے کہ اللہ کی توفیق اس کے شامل حال ہو اور اس کی خبر کی طرف رہنمائی فرمائے۔اس صورت میں فعل کا صدور اس سے ہوسکتا ہے اس کی تفسیر پہلے کئی بار گذر چکی ہے۔

(۳۸) كُلُّ نَفْسٍ م بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (ترجمہ:۔ہر شخص اپنے کسب کے بدلے گروی ہے) یعنی اپنے عمل کی وجہ

سے ماخوذ ومرھون ہے۔صاحب کشاف کہتے ہیں رھینة میں 'تا' تانیث کی نہیں ہے اگر اس سے صفت مراد لی جائے تو رھین ہوگا کیونکہ وہ فعل کے وزن میں مذکر ومونث برابر ہوتے ہیں اور رھینة ' رھن کے معنی میں اسم ہے۔جیسے شتیمة بمعنی شتم اسم ہے۔اسی سے حماستہ کی بیت ہے۔

ابعد الذی بالنعف نعف کویکب رھینة رمس ذی تراب وجندلی

النعف جگہ کا نام اور رمس کے معنی ہیں قبر گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ قبر میں گروی ہے۔اس کے معنی ہیں کہ ہر نفس اپنے کسب کے بدلے اللہ کے یہاں گروی ہیں آزاد نہیں ہے۔ابوحیان اندلسی کہتے ہیں میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ 'تا' جس پر داخل ہوتی ہے وہ اگر چہ مفعول ہے جیسا کہ نطیحة۔اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب یہ لفظ مذکر کی خبر آتا ہے تو 'ہا' کے بغیر آتا ہے۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کل امری بماکسب رھین(الطور ۲۱) پس جہاں بھی یہ مذکر کی خبر ہوتا ہے تو بغیر ھا کے آتا ہے۔اور جہاں مونث کی خبر ہو تو وہاں 'تا' کے ساتھ آتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے پس بیت کے اندر معنی نفس پر اس کو مونث لایا گیا ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ یہ قول ضعیف ہے۔صاحب اللسان فرماتے ہیں کہ حدیث میں مروی ہے کل غلام رھینة بعقیقة (ہر بچہ عقیقہ کے بدلے گروی ہے) پس رھینة یہاں مذکر کی خبر ہے اور وہ ہے غلام۔اور ابوحیان نے جو کہا ہے اس کا مذکر آنا ضروری ہے یعنی رھنین' ہونا چاہئے تھا صحیح وہی ہے جو صاحب کشاف نے کہا۔

(۳۹) اِلَّا اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ (ترجمہ:۔سوائے دائیں طرف والوں کے) اور وہ ہیں مومن۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں وہ مسلمانوں کے بچے ہیں۔فراء کہتے ہیں کہ یہ بہت زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ بچے گناہ کا اکتساب نہیں کرتے کہ جس کے بدلے وہ گروی بنے۔میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل عام ہے اس میں کافروں کے بچے بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی گناہ کی کمائی سے دور ہیں۔

(۴۰۔۴۱) فِیۡ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوۡنَ o عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ (ترجمہ:۔وہ جنتوں میں ہوں گے آپس میں مجرموں کے بارے میں پوچھتے ہوں گے) یعنی کافروں کے۔

(۴۲) مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ (ترجمہ:۔کون سی چیز تمہیں جہنم میں لے گئی) یعنی کس چیز نے تمہیں جہنم میں داخل کیا۔کہا جاتا ہے سلکت الشئی فی الشئی فانسلک یعنی میں نے اسے اس چیز میں داخل کیا اور وہ اس میں داخل ہوگئی اسی سے اللہ کا یہ ارشاد گرامی ہے الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فسلکه ینابیع فی الارض (الزمر ۲۱)۔یعنی اس نے داخل کیا زمین کے چشموں میں۔

(۴۳۔۴۴) قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ o وَلَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ (ترجمہ:۔وہ کہیں گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے) یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ کفار اصولی اور فروعی اعمال کے بدلے ماخوذ کئے جائیں گے۔

(۴۵) وَکُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ (ترجمہ:۔اور بیہودہ مشغلے والوں کے ساتھ بیہودہ مشغلوں میں پڑے رہتے

تھے) یعنی باطل میں مصرف رکھنے والوں میں ہم بھی مصروف رہتے تھے۔

(۴۶) **وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ** (ترجمہ:۔اور ہم بدلے کے دن کو جھٹلاتے تھے) یعنی قیامت کے دن کو۔

(۴۷) **حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ** (ترجمہ:۔یہاں تک ہمیں یقین آ گیا) یعنی موت۔یعنی ہم کفر پر برقرار رہے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔

(۴۸) **فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ** (ترجمہ:۔تو سفارش کرے والوں کی سفارش انہیں کچھ نفع نہ دے گی) یعنی کافروں کو سفارش کرنے والے کی سفارش فائدہ نہیں دے گی۔

(۴۹) **فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ** (ترجمہ:۔تو انہیں کیا ہوا کہ وہ نصیحت سے) یعنی ڈرانے سے۔اور وہ ہے وعظ۔ **مُعْرِضِيْنَ** (ترجمہ:۔منہ موڑے ہوئے ہیں) یہ لھم کی ضمیر سے حال ہے۔

(۵۰) **كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ** (ترجمہ:۔گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں) یعنی بھاگنے والے۔کہا جاتا ہے کہ نفر اور استنفر، عجب اور استعجب کی طرح ہے۔نیز اسے فا کی زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ابوعلی فارسی کہتے ہیں زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔

(۵۱) **فَرَّتْ** (ترجمہ:۔جو بھاگ رہے ہوں) یعنی گدھے **مِنْ قَسْوَرَةٍ** (ترجمہ:۔شیر سے) یہ لفظ قسر سے ہے اور وہ قہر وغلبہ کو کہتے ہیں اس لئے عزیز کو قسورۃ کہا جاتا ہے۔کیونکہ وہ غیر کو مقہور کر دیتا ہے۔اس کی جمع قساور ہے اور یہ لفظ کئی معنوں میں آتا ہے۔پہلے معنی ہیں ابن سیدہ کا کہنا ہے کہ اہل لغت کہتے ہیں قسور اور قسورۃ دونوں شیر کا اسم ہیں جسے انہوں نے مونث بنا دیا ہے۔جیسے لوگ اسامة کا لفظ استعمال کرتے تھے اسی سے ایک شاعر کا قول ہے۔

مضمر تحدره الابطال كانه القسورة الريبال

دوسرے معنی صیاد ہیں۔لیث کا شعر ہے۔

و شر شر و قسور نصريٍّ

اس کا کہنا ہے کہ شرشر کتا ہے اور قسور صیاد ہے۔ازہری کہتا ہے کہ لیث نے اس تفسیر میں خطا کی ہے۔شرشر ایک معروف جنگلی بوٹی ہے جو اونٹ کو موٹا کرتی ہے تیسرے معنی ہیں تیرانداز۔یہ ابن اثیر نے کہا ہے۔ایک قول یہ بھی ہے القسورة، الرماة کا اسم جمع ہے۔جس کا لفظی واحد نہیں ہے۔ابن الاعرابی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ابن عینیہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ فرماتے تھے القسورة کے معنی ہیں "نکر الناس" اس سے ان کی مراد لوگوں کی حس اور اصوات ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ اپنی سفاہت اور بلاہت کی وجہ سے قرآن کی سماع سے بھاگتے ہیں۔جیسے گدھا شیر سے یا شکاری یا تیرانداز سے بھاگتا ہے۔

(۵۲) **بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً** (ترجمہ:۔بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا

ہے کہ کھلے صحیفے ان کے ہاتھ میں دے دئے جائیں) یہ مقدر عبارت پر عطاف ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ **انهم لا يكتفون تلك التذكرة التى انزلها على رسوله ﷺ بل يريد كل واحد منهم ان يوتى قراطيس منشرة. يكتب فى كل واحدمنها عنوانه من رب العالمين انى فلان ابن فلان وتومرفيه با تباعک** (تو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ اس نصیحت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے اس کے اعمال نامے کھلے ہوئے ملیں جن میں سے ہر ایک کے اندر رب العالمین کی طرف سے اس کا عنوان لکھا ہو کہ میں فلان ابن فلان ہوں۔ اور اس میں تیری اتباع کا حکم دیا گیا ہو) اس کی مثال اللہ کا یہ ارشاد ہے **لن نومن لرقيک حتى تنزل علينا كتابا تقروه**۔ (بنی اسرائیل ۹۳) (ہم تمہارے (آسمان پر) چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کہ کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ بھی لیں) اور مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہم میں سے ہر شخص کے پاس صحیفہ آجانا چاہئے۔ جس میں آگ سے براءت مرقوم ہو اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ بنی اسرائیل میں سے آدمی کے پاس اس کے سرہانے اس کا گناہ اور اس کا کفارہ لکھا ملتا تھا تو آپ بھی ہمارے پاس ایسی ہی چیز لے کے آئیں۔ جمہور کہتے ہیں **صحفا منشرة** سے مراد پہلا قول ہے۔ سعید ابن جبیر نے **منشرة** کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۵۳) **كَلَّا** (ترجمہ:۔ ہرگز نہیں) یہ انہیں اس ارادے سے ڈانٹنے کے لئے استعمال ہوا۔ **بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ** (ترجمہ:۔ بلکہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے) اسی وجہ سے نصیحت سے بھی اعراض برتتے ہیں حالانکہ انہوں نے نبی ﷺ کے دعویٰ نبوت کی صداقت وصحت پر کئی معجزات کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ پس اس سے بھی زیادہ مطالبہ کرنا محض کھلی دشمنی ہے۔

(۵۴) **كَلَّا اِنَّهٗ** (ترجمہ:۔ ہاں ہاں وہ) یعنی بے شک یہ قرآن **تَذْكِرَةٌ** (ترجمہ:۔ تذکرہ ہے) یعنی بلیغ نصیحت ہے۔

(۵۵) **فَمَنْ شَآءَ** (ترجمہ:۔ تو جو چاہے) اس سے نصیحت حاصل کرے۔ **ذَكَرَهٗ** (ترجمہ:۔ نصیحت قبول کرے) اور وعظ حاصل کرے اور اپنے پیش نظر رکھے۔

(۵۶) **وَمَا يَذْكُرُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور نصیحت قبول نہیں کریں گے) محض نصیحت کو چاہنے سے کیونکہ بندے کی مشیت کی کسی چیز پر اثر آفرینی نہیں ہوتی۔ **اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ** (ترجمہ:۔ مگر اللہ کے چاہنے سے) یہ استثناء مفرغ ہے تمام احوال اور علل سے۔ اس طرح کے افعال میں سے کوئی فعل اور احوال میں سے کوئی حال بندہ سے صادر نہیں ہوتا مگر یہ کہ اسے اللہ چاہے۔ اور اس میں معتزلہ کا صحیح رد ہے۔ اسے تذکرون (خطاب کے طور پر) بھی پڑھا گیا ہے اور بطور غائب (یذکرون بھی) پڑھا گیا۔ اور خطاب کی صورت میں یہ مشدد ہوگا۔ **هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى** (ترجمہ:۔ اس کے لائق ہے کہ اس کا خوف رکھا جائے) یعنی اللہ جل شانہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے بندے اس سے ڈریں اور اس کے عذاب کا خوف رکھیں **وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ** (ترجمہ:۔ مغفرت فرمانا اسی کی شان ہے) یعنی اطاعت کرنے والے اور ایمان لانے والے کی بخشش کا وہ زیادہ حقدار ہے۔